رئیس احمد جعفری

تأثرات

گذشتہ اشاعت کے "تأثرات" میں، پرویز صاحب کے اس خیال سے میں نے اختلاف کیا تھا کہ کسی "مرکزِ ملت" کے ذریعہ طائفی اختلافات ختم کرکے ایک ہی فقہ اور ایک ہی پرسنل لا اور ایک ہی مجموعۂ مسائل پر لوگوں کو متفق کیا جاسکتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا، نہ ایسا ہونا چاہیے۔

وحدتِ فقہ و مسائل کا خیال نیا نہیں ہے اس سے قبل بھی بعض مطلق العنان ہستیوں کے دل میں خیال آیا تھا۔ چنانچہ خلیفہ منصور تو اس پر آمادہ بھی ہوگیا تھا کہ فقہ مالکی کو سرکاری فقہ بنادے لیکن خود امام مالک نے اس خیال سے اختلاف کیا اور بات آگے نہ بڑھی۔

پھر ہم مامون اور معتصم کے دور میں دیکھتے ہیں کہ مسئلہ خلق قرآن جیسے محض نظری (نہ کہ عملی) مسئلہ کو زبردستی لوگوں پر مسلط کرنے کا انجام کیا ہوا۔ اسوقت کی حکومت نے قہرمانیت اور استبداد کے مظاہرے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، لیکن کیا اس میں کامیابی ہوئی؟

اختلاف فکر و نظر ـــــ وہ بھی جب منقولات سے متعلق ہو ـــــ فطری چیز ہے۔ اس پر نہ چونکنا چاہیے، نہ بھڑکنا چاہیے، بلکہ اس کا احترام کرنا چاہیے۔ فقہی مسائل کا جواب ریاضی کے کسی سوال کی طرح نہیں دیا جاسکتا کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ اس سوال کے ساتھ بہت سے اشکال وابستہ ہوتے ہیں۔ مسئلہ زیر بحث سے متعلق قرآن کیا کہتا ہے؟ آیات میں کسی طرح کا تعارض یا اختلاف تو نہیں ہے؟ سیاق و سباق کیا ہے؟ پھر حدیث و سنت اور آثار صحابہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ راوی کیسا ہے؟ سند کی نوعیت کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کیا ہے؟ عمل کیا ہے؟ ترجیح کسے ہے؟ اور کیوں ہے؟ کسی مسئلہ میں خود صحابہ تو باہم مختلف الآرا نہیں؟ اگر ہیں تو ان کا پایۂ اجتہاد و تفقہ کیا

ہے ؟ کیونکہ صرف صحابی ہونا کسی راوی کے تفقہہ کی دلیل نہیں ہے ۔

یہاں سے ائمہ فقہ ابھرتے ہیں۔ وہ اچھی طرح چھان پھٹک کر ایک مسئلہ کو منقح کرتے ہیں، اور ایک فتوٹے دے دیتے ہیں اور وہ ان کے اتباع میں رائج ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے ان ائمہ فقہ میں بھی پورے خلوص اور پوری دیانت کے ساتھ ، لیکن بہر حال فکری اختلاف رونما ہوتا ہے۔ چنانچہ لوگ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور اہل حدیث وغیرہ فرقوں میں منقسم ہوجاتے ہیں۔ کون طاقت ہے جو اس فکری اختلاف کو افہام و تفہیم یا ترغیب و ترہیب سے روک سکتی ہے ؟ جواب یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی نہیں اور خدا نے اب تک ایسا نہیں چاہا۔ عبد اور معبود کا یہ اختلاف بلاشبہ ہے سنگین نوعیت کا۔ لیکن برداشت ہی کرنا پڑے گا۔ اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں فکری اور اجتہادی اختلاف ایک ناگزیر چیز ہے اسے روکا نہیں جاسکتا۔ لیکن اس کے سیئات ختم کئے جاسکتے ہیں بلکہ وہ حسنات میں تبدیل کئے جاسکتے ہیں۔ ان کا زہر مٹایا جا سکتا ہے ، اور تریاق بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔

زہر کیا ہے اور تریاق کیا ہے ؟

تریاق ہے فکری اور اجتہادی اختلاف ، زہر ہے ، تحزّب اور تعصّب ۔ تحزب اور تعصب کے بغیر یہ اختلاف واقعی رحمت بن جاتا ہے فکری اور اجتہادی اختلاف اور تعصب و تحزب کے مابین وہی رشتہ ہے جو پھول اور کانٹے کے درمیان ہوتا ہے۔ اجتہادی اور فکری اختلاف پھول ہے۔ تحزب اور تعصب کانٹا۔ اسے راستہ سے ہٹنا چاہیئے ۔

یہ قدم بڑی آسانی سے اٹھایا جاسکتا ہے۔ صرف جرأت کی ضرورت ہے ۔

پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ مساجد کے دروازے ہر کلمہ گو کے لئے کھول دیئے جائیں۔ ہر مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے ، نہ حنفی ہے نہ مالکی ، نہ شافعی نہ حنبلی ، نہ اہل حدیث ، نہ شیعہ۔ البتہ مساجد کے امام بدلتے رہیں ۔ کبھی حنفی ہو، کبھی اہل حدیث ، کبھی شیعہ ، کبھی کسی اور فرقے کا۔ اس اصول پر اگر بیت اللہ میں عمل کیا جاسکتا ہے تو یہاں کیوں نہیں کیا جاسکتا ؟ کیا حرم کعبہ میں باری باری سے مختلف مذاہب کے امام

نماز نہیں پڑھاتے ؟

دوسرا اس سے زیادہ ضروری امر اہم کام یہ ہے کہ مدارس عربیہ میں اس کا انتظام تو ضرور ہونا چاہیے کہ جو طالب علم جس مذہب کی فقہ و حدیث چاہے حاصل کرے، لیکن کوئی عربی مدرسہ نہ اہل حدیث ہو نہ شیعہ، نہ حنفی۔ اساتذہ میں حنفی، شافعی، شیعہ اہل حدیث سب ہوں، نہ کوئی جامعہ نعیمیہ ہو نہ جامعہ اہلحدیث مجلس انتظامیہ میں بھی ہر فرقہ کے لوگ، شیعہ بھی، سنی بھی، اہلحدیث بھی، حنفی بھی۔

کہا جا سکتا ہے یہ تو بھان متی کا پٹارہ بن جائیگا۔ لیکن یہ غلط ہے آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے اسطرح کی کوشش بغیر وسائل و ذرائع، اور مال و زر کے محض متوکلاً علی اللہ کی گئی تھی اور وہ حد درجہ کامیاب رہی۔

میری مراد، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ہے۔

میں نے خود دیکھا ہے ندوہ کے اساتذہ میں اگر ایک طرف شمس العلما مولانا محمد حفیظ اللہ تھے جو کٹر اہل حدیث تھے تو دوسری طرف مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی تھے، جو اسی درجہ کے حنفی تھے۔ مولانا حفیظ اللہ کٹر اہل حدیث ہونے کے باوجود مولانا عبدالحی فرنگی محلی جیسے حنفی کے شاگرد رشید تھے اور مولانا حیدر حسن خاں کٹر حنفی ہونے کے باوجود میاں نذیر حسن صاحب کے شاگرد رشید تھے میرے استاذِ فقہ، مولانا شبلی فقیہ مولانا حفیظ اللہ کے شاگرد تھے استاذ کے فدائی، لیکن اپنے مسلک پر عامل۔ اس وحدتِ تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے اندیشۂ تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ متحدہ ہندوستان میں دارالعلوم ندوۃ العلماء وہ واحد عربی درسگاہ تھی جہاں گو حنفی، اہل حدیث اور شافعی طلبہ اور اساتذہ پہلو بہ پہلو پڑھتے اور دوش بدوش پڑھاتے تھے لیکن نہ ان میں تحزب تھا نہ تعصب۔ ایک ندوی، حنفی ہوتے کے باوجود کئی مسائل میں دوسری فقہ کے مسائل کو ترجیح دیتا ہے۔ ایک ندوی اہل حدیث ہونے کے باوجود کئی مسائل میں فقہ حنفی کو ترجیح دیتا ہے جس طرح ایک اہل حدیث ندوی امام ابوحنیفہ کا پورا احترام کرتا اور ان کی جلالت قدر کا دل سے مداح و معترف نظر آئے گا اسی طرح ایک حنفی ندوی ائمہ اہلحدیث کی عظمت اور علوئے مرتبت کا صدق دل سے ثناخواں نظر آئے گا۔

جب تک یہ جرأت مندانہ قدم نہیں اٹھایا جا سکتا ——— اور خوش قسمتی سے اس کی نہایت کامیاب

اور روشن مثال بھی موجود ہے۔ اس وقت تک رستے سے کانٹے نہیں ہٹ سکتے۔ اور بے شک یہ کام "مرکزِ ملت" ہی انجام دے سکتا ہے۔

تاریخ کے اوراق کھنگالئے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ جب تک تحزّب اور تعصب کی کارفرمائی نہ تھی، یا تھی مگر کمزور تھی، تو فکری انفرادیت ملی اجتماعیت کے راستے میں کبھی حائل نہ ہو سکی، نہ شخصی اقدار و کمال کے لئے حجاب بن سکی۔ مثلاً امام زہری کو لیجیے جو بقول اکثر پہلے جامع حدیث ہیں، لیکن ان کی شخصیت ممدوح الطرفین رہی۔ شیعہ بھی ان کا اجلال و احترام کرتے رہے اور سنیوں کے لئے تو یہ امیر المومنین فی الحدیث تھے ہی۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں کئی راوی ایسے ملیں گے جن کی شیعیت کے اعلان کے ساتھ ساتھ انہیں "عدول" اور "ثقہ" قرار دیا گیا ہے۔ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری تک کے راویوں میں شیعہ ملتے ہیں لیکن بعد میں وہ دور آیا کہ دونوں نے تکفیر کی تلوار نکال لی اور "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"۔

ہر فرقہ کو زندہ رہنے کی پوری اجازت ہونی چاہیئے ہر فرقہ کو اپنے فقہی مسلک پر عمل پیرا ہونے کی پوری اجازت ہونی چاہیئے۔ ہر فرقہ کے لوگوں کو اپنے مسلک کی تبلیغ و تلقین کی پوری اجازت ہونی چاہیئے۔ لیکن کسی فرقہ کو اس کی اجازت نہ ہونی چاہیئے کہ وہ اپنی الگ مسجد بنائے، الگ درس گاہ قائم کرے، الگ انجمن بنائے۔

جس دن یہ ہو جائے گا، اس دن فرشتے نعرہ لگائیں گے:

جس سمت بھی چاہے صفتِ سیل چلا چل
وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا